مولانا عبدالحی حسنی
ترجمہ و حواشی: پروفیسر رشید احمد ارشد

ہند اور پاکستان کا قدیم درسی نظام

ذیل کا مضمون مولانا عبدالحی حسنی مؤلف نزہۃ الخواطر کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" مطبوعہ دمشق کے مقدمہ کا ترجمہ مع حواشی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہند اور پاکستان کے علما کی تاریخ بہت پوشیدہ ہے نہ تو ان کے حالات زبانی سننے میں آتے ہیں اور نہ تاریخی کتب ہی میں ان کے حالات ملتے ہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ "نیتن العلم" ایک بہت مشہور کتاب ہے اس کا مصنف ہندوستان کا باشندہ تھا مگر نہ تو اس کا نام معلوم ہو سکا اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ وہ کہاں رہتا تھا۔ یہی حال دوسری مشہور کتابوں کے مصنفوں کا ہے۔ مثلاً فتاویٰ تاتارخانیہ[1]، فتاویٰ حمادیہ[2]، فتاویٰ ہندیہ[3]، مطالب المومنین[4] اور دستور الحقایق کے مصنفوں کا حال معلوم نہیں ہے۔ یہ ہند اور پاکستان کے مصنفوں کی بڑی کوتاہی ہے کہ انھوں نے

---

[1] فتاویٰ تاتارخانیہ کو شیخ عالم بن العلاء دہلوی نے دو جلدوں میں تحریر کیا یہ کتاب انھوں نے فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ایک حاکم تاتارخاں کے لیے تحریر کی اور اسی کے نام سے منسوب ہوئی۔

[2] فتاویٰ حمادیہ کے مصنف کا نام مفتی ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین ناگوری ہے یہ فتاویٰ دو جلدوں میں ہے۔

[3] فتاویٰ ہندیہ فتاویٰ عالمگیریہ کو کہتے ہیں اس کی تدوین میں جن علما نے حصہ لیا تھا ان میں سے بیس نام معلوم ہوئے ہیں۔ اس کے لیے سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے شیخ نظام الدین کی قیادت میں علما کی ایک جماعت مقرر کی تھی اور اس کے لیے دو لاکھ روپیہ خرچ کیا تھا۔ دیگر علما کے علاوہ مندرجہ ذیل چار علما نے کام کیا۔

(۱) قاضی محمد حسین جونپوری محتسب۔ (۲) شیخ علی اکبر حسینی (سعد اللہ خانی) (۳) شیخ حامد بن ابی حامد جون پوری۔ (۴) مفتی محمد اکرم حنفی لاہوری۔ (ملاحظہ ہو کتاب مرآۃ العالم)

[4] (حاشیہ صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ فرمایئے)

سلاطین، امرا، مشائخ اور شعرا کرام کے کارناموں کو نمایاں کرنے میں تو کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا لیکن علما کرام کے حالات فراہم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جب صورت حال اس درجے تک پہنچ چکی ہے تو عہد بعہد درسی نظام کی تاریخ کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔

ان تمام دشواریوں کے باوجود میں سلاطینِ ہند اور ان کے شعرا اور مشائخ کرام کی تاریخ، اور تذکروں کی ورق گردانی کرتا رہا اور ان کے مکتوبات اور ملفوظات کا مطالعہ بھی کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے بتدریج تاریخی مواد ملتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے وہ معلومات حاصل ہوئیں جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ تھیں۔ یہ اس عاجز و ناتوان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور کرم ہے۔

ہند اور پاکستان کے علمی مراکز

یہ واقعہ ہے کہ ہند اور پاکستان میں اسلام کا ظہور خراسان اور ماوراء النہر کی طرف سے ہوا اور انہی ممالک کے علما نے اسلامی علوم کی شعاعوں سے برعظیم پاک و ہند کو منور کیا۔ قدیم زمانہ سے یہاں لوگوں کی دلچسپی فلسفہ اور یونانی حکمت سے تھی۔ علم نحو، فقہ اور علم کلام سے ان کی واقفیت مقلدانہ طریقے سے ہوئی۔

ملتان و لاہور

جب ہند و پاکستان میں اسلام کا ظہور ہوا اور شہر ملتان اسلامی علوم کا مرکز بنا تو یہاں مسلم علما کی کثیر تعداد آکر جمع ہو گئی۔ اس کے بعد جب دورِ غزنوی میں لاہور پایۂ تخت بنا تو لاہور اسلامی علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔

دہلی

جب غوری سلاطین نے شہر دہلی کو فتح کیا اور اسے ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کا پایۂ تخت قرار دیا تو دہلی علما کا مرکزی مقام بن گئی اور ہر ملک اور ہر شہر کے ارباب علم و فضل یہاں آنے لگے۔ اور وہ ہر دور میں یہاں آکر تعلیم و تدریس کے مرکز قائم کرتے رہے۔ ان کی تعلیم و تدریس کا یہ سلسلہ تیموری سلاطین کے آخری دور تک قائم رہا۔

سلہ یہ کتاب آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر تالیف کی گئی تھی، اس وقت ایسی کوئی کتاب نہ تھی بعد میں ڈاکٹر صوفی کی انگریزی کتاب المنہاج اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب "مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" اور ابو الحسنات ندوی کی کتب شائع ہوئیں۔ ارشد۔

گجرات

گجرات ہندوستان کا اہم بحری مقام تھا یہی وجہ ہے کہ سمندری راستے سے یہاں قدیم زمانے سے مسلم علما آتے رہے۔ چنانچہ شیراز اور یمنی علاقوں سے اہل علم یہاں آتے ۔مثلاً بدر دمامینی خطیب گاذرونی اور عماد طارمی، یہاں آکر تعلیم و تدریس کی مسند پر سرفراز ہوئے، اور اہل علم و فضل کی جماعت نے ان سے استفادہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گجرات جنوبی ہند اور مالوہ کے گوشے گوشے میں اسلامی علوم و فنون کی اشاعت ہونے لگی۔

جونپور

جب تیموری فتنوں کی وجہ سے دہلی کی حکومت کمزور ہو گئی تو جونپور کا شہر علمی مرکز بن گیا اور وہاں دہلی کے علما پہنچ گئے ان میں شیخ ابو الفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر دہلوی[۵۵] شیخ احمد بن محمد تھانیسری اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی[۵۶] وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ وہاں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے اور ان کے فیض تعلیم سے بڑے بڑے علما پیدا ہوئے اور مشرقی ہند کے ہر گوشے میں اسلامی تعلیم پھیل گئی

لکھنؤ

شہر لکھنؤ جونپور کی علمی روشنی سے منور ہوا وہاں بھی اکابر علما نمودار ہوتے جن کی آخری یادگار شیخ نظام الدین سہالوی[۵۷] تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے موجودہ درسی نظام کی بنیاد ڈالی، اور ان کے مرتب کردہ

---

۵۵ یہ قاضی عبدالمقتدر دہلوی کے پوتے تھے جو حضرت نصیرالدین محمود کے خلیفہ تھے اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد تھے، ان کے یہ پوتے بھی اسی طرح درس و تدریس میں مشغول رہے۔

۵۶ آپ دولت آباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ قاضی عبدالمقتدر دہلوی اور مولانا خواجگی (شاگرد مولانا معین الدین عمرانی) سے تعلیم حاصل کی۔ حملۂ تیمور سے پہلے دہلی سے کالپی چلے گئے اور وہاں سے جونپور پہنچ گئے۔ حاکم جونپور سلطان ابراہیم مشرقی نے انھیں ملک العلما کا خطاب دیا۔ وہیں آپ نے مسند درس کو آراستہ کیا اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی تصانیف مقبول خاص و عام ہوئیں۔ ان میں بحر مواج تفسیر قرآن کریم (فارسی) اور فتاوی ابراہیم شاہی وغیرہ مشہور ہیں۔ ۸۴۹ھ، ۱۴۴۵ء میں آپ کا جونپور میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

۵۷ شیخ نظام الدین سہالوی ملا قطب الدین شہید سہالوی کے تیسرے فرزند تھے۔ انھوں نے اپنے والد کی شہادت کے بعد جنھیں قصبہ سہالی کے عثمانی شیوخ نے زمینداری کے جھگڑے کی وجہ سے رات کے وقت شہید کر دیا تھا حافظ امان اللہ بنارسی اور مولوی قطب الدین شمس آبادی سے مروجہ علوم اسلامیہ کی تکمیل کی اور اس کے بعد درس و تدریس

(باقی بر صفحہ ۲۳)

نصاب کو تمام علما نے بہت پسند کیا۔ ان کے خاندان (فرنگی محلؒ) سے اکابر علما پیدا ہوئے اور ان کی بدولت اودھ کی سرزمین کی شہرت اہم علمی مرکز کی حیثیت سے دور دراز کے ممالک تک پہنچ گئی اور اس کے ہر قریہ سے بڑے بڑے علما نمودار ہوئے، بالخصوص بلگرام، ہرگام، جائس، قیوتی، گوپامو، امیٹھی، سندیلہ، کاکوری اور خیرآباد مشہور علمی مراکز بن گئے۔ یہ علاقے اب اپنے اسلاف کے قبرستان بن کر ان کی مٹی ہوئی شان و شوکت کے مرثیہ خواں ہیں۔

درسی نظام کی تقسیم

میں نے مختلف زمانوں کے لحاظ سے درسی نظام کے چار دَور مقرر کیے ہیں تاکہ اس سے واقفیت حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ اس بلند مقام پر بڑی کدوکاوش اور تحقیقات کے بعد پہنچا ہوں اس کی قدر و قیمت کا وہی شخص اندازہ لگا سکتا ہے جو محنت و مشقت کے ان مراحل سے گذر چکا ہو۔

دَورِ اوّل

اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے ہوا اور نویں صدی تک باقی رہا۔ اس کی مدت تقریباً دوسو سال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی تعلیمی اور علمی قابلیت کی تمام ہندو پاکستان میں شہرت ہوگئی اور دور دراز سے طالبانِ علم آپ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے آنے لگے۔ آپ نے مروجہ تعلیمی نصاب میں انقلاب برپا کیا اور ایک نئے تعلیمی نصاب کو رائج کیا جو درسِ نظامیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اور آپ تمام آنے والے علماء ہندو پاکستان کے "شیخ کل" کہلائے جانے لگے۔ کیونکہ علمائے فرنگی محل اور دیگر مشہور علما آپ کے شاگرد تھے۔ آپ سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کے مرید تھے۔ آپ کا انتقال ۹ رجمادی الاول ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء میں ہوا۔ آپ کی مشہور تصانیف مندرجۂ ذیل ہیں جو اصول فقہ، عقائد و علم الکلام اور فلسفہ پر ہیں: (۱) شرح مسلم الثبوت۔ (۲) شرح تحریر الاصول از ابن ہمام۔ (۳) شرح منار الاصول، (۴) حاشیہ شرح عقائد جلالی۔ (۵) حاشیہ حواشی قدیم دوانیہ، (۶) حاشیہ صدرا، (۷) حاشیہ شمس بازغہ، (۸) شرح رسالہ مبارزیہ، (۹) مناقب رزاقیہ

آخری کتاب آپ نے اپنے پیرو مرشد حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی کے اوصاف و حالات پر لکھی ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرۂ علمائے فرنگی محل)

۵۸؎ فرنگی محل شہر لکھنؤ کا ایک محلہ ہے پہلے یہاں ایک فرنگی تاجر رہتا تھا اس لیے اس کا نام "فرنگی محل" پڑ گیا اس کے مرنے کے بعد یہ زمین سرکاری ملکیت میں چلی گئی۔ ملا قطب الدین شہید کی شہادت کے بعد ان کی اولاد کو یہ جگہ معافی میں مل گئی اور اس وقت سے اب تک انہی کی اولاد فرنگی محل میں مقیم ہے۔

تک ہے۔ اس دور میں معیار فضیلت مندرجہ ذیل علوم وفنون پر تھا: نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق علم کلام، تصوف اور تفسیر۔

نحوی کتب نصاب

نحو کی کتب نصاب مندرجہ ذیل تھیں: مصباح، کافیہ[۹]، لب الالباب از قاضی ناصر الدین بیضاوی بعد ازاں یہ کتب نصاب تھیں: الارشاد از قاضی شہاب الدین دولت آبادی حواشی کافیہ جو ان کے بعض تلامذہ کے لکھے ہوئے تھے۔

فقہی کتب نصاب

المنفق۔ مجمع البحرین، قدوری[۱۰]، ہدایہ[۱۱]۔

اصول فقہ

حسامی۔ المنار اور اس کی شروح، اصول بزدوی

تفسیر

مدارک، بیضاوی[۱۲] اور کشاف[۱۳]۔

---

۹ یہ نحو کی مشہور درسی کتاب ہے اس کے مؤلف ابن الحاجب ابو عمر عثمان بن ابی بکر بن یونس تھے جو مشہور مالکی فقیہ بھی تھے، ان کی وفات ۶۴۶ھ میں ہوئی۔

۱۰ یہ حنفی فقہ کی مختصر کتاب ہے جسے ابو الحسن احمد القدوری نے تالیف کیا جو اپنے زمانے میں عراق کے سب سے بڑے حنفی عالم تھے ان کی وفات ۴۲۸ھ میں ہوئی۔

۱۱ ہدایہ بھی حنفی فقہ کی مشہور درسی کتاب ہے اس کے مؤلف برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، الفرغانی تھے۔ مرغینان، فرغانہ کے علاقے میں جو اب روس کے قبضے میں ہے ایک شہر تھا۔ جہاں مؤلف ہدایہ پیدا ہوئے تھے سن ولادت ۵۴۶ھ اور سن وفات ۵۹۳ھ ہے۔

۱۲ مؤلف تفسیر بیضاوی کا اسم گرامی عبداللہ بن عمر ہے وہ شیراز کے قاضی تھے ان کی تفسیر کا اصل نام "انوار التنزیل و اسرار التاویل" ہے۔ وہ ۶۸۵ھ میں فوت ہوئے۔

۱۳ تفسیر کشاف کے مؤلف کا نام ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری ہے۔ زمخشر علاقہ خوارزم کا مقام تھا۔ زمخشری فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھتے تھے تاہم قرآنی بلاغت کی توضیح و تشریح میں یہ تفسیر اپنا جواب نہیں رکھتی ہے۔ وفات ۵۲۸ھ میں ہوئی۔

تصوف

عوارف المعارف[۱۴]، التعرف، الفصوص، نقد الفصوص، لمعات از عراقی۔

حدیث

مشارق الانوار۔ از صنعانی یا مصابیح السنۃ از بغوی۔

ادب

مقاماتِ حریری، طلبا بالعموم اسے زبانی یاد کرتے تھے جیسا کہ حضرت نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ انھوں نے شیخ شمس الدین خوارزمی سے مقامات پڑھی تھی اور اس کے چالیس مقامات حفظ کیے تھے۔

منطق

منطق میں صرف شرح شمسیہ پڑھائی جاتی تھی۔

علمِ کلام

شرح الصحائف بعض طلبا عقیدۂ نسفیہ، قصیدہ لامیہ اور التمہید از ابو شکور السالمی بھی پڑھتے تھے۔

دورِ اوّل کا معیارِ فضیلت

درسی نظام میں معیارِ فضیلت امتدادِ زمانہ اور اختلافِ عہد کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا رہتا تھا۔ ابتدائی دور میں فقہ اور اصولِ فقہ میں مہارت حاصل کرنا معیارِ فضیلت سمجھا جاتا تھا جس طرح موجودہ دور سے پہلے منطق اور فلسفہ میں مہارت حاصل کرنا (قدیم علما کے لیے) معیارِ فضیلت سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس زمانے کا بیش قیمت علمی سرمایہ فقہ کو سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں کتب فتاویٰ اور فقہی روایات کی کثرت تھی اور فقہی مسائل کو کتاب و سنت سے ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ اور نہ سنن ماثورہ پر فقہی مجتہدات کو منطبق کیا جاتا تھا۔ اس دور کے اہلِ علم کا انتہائی مبلغ علم، حدیث میں صرف صنعانی کی مشارق[۱۵] الانوار

---

[۱۴] عوارف المعارف کے مصنف ابو حفص عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی ہیں جو سلسلۂ سہروردیہ کے بانی تھے ان کی وفات ۶۳۲ھ بغداد میں ہوئی (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میرا مقدمہ ترجمہ عوارف المعارف شائع کردہ شیخ غلام احمد اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۲ء)

[۱۵] مشارق الانوار کے مصنف کا اسم گرامی رضی الدین ابو الفضائل حسن بن محمد العمری الصنعانی ہے آپ لاہور

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۶)

پر مبنی تھا۔ اور اگر کوئی اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا تو وہ بغوی[۱۶] کی مصابیح السنۃ کا مطالعہ کرتا تھا اور ایسے شخص کو وہ محدث سمجھتے تھے۔ ان کا یہ خیال علم حدیث سے ناواقفیت پر مبنی تھا۔

حضرت نظام الدین اولیا بدایونی[۱۷] کے بارے میں منقول ہے کہ وہ غنا کی سماعت فرماتے تھے۔ علما نے آپ کے اس رویہ کو ناپسند کیا۔ جب حضرت نظام الدین اولیا سماع پر باصرار قائم رہے تو علما نے اس زمانے کے خاندان تغلق کے بادشاہ غیاث الدین تغلق دہلوی کے پاس شکایت کی۔ شاہ موصوف نے آپ کو بلوا کر فقہا اور فاضیوں کو حکم دیا کہ وہ آپ سے اس مسئلہ پر بحث کریں۔ حضرت نظام الدین نے سماع کے جواز میں احادیث پیش کیں۔ فقہا نے ان روایات کی تردید کی اور کہنے لگے کہ "فقہی روایات ہمارے ملک میں احادیث پر مقدم سمجھی جاتی ہیں" دوسرے علما نے یہ کہا: "ہم ان احادیث کو سننا نہیں چاہتے ہیں، کیونکہ ہمارے مسلک کے دشمن امام شافعی اس قسم کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں"۔

ملاحظہ کیجیے کہ اس زمانے کے علما اس قسم کی ناکارہ اور کمزور باتیں کرتے تھے۔ ایسی باتیں علم حدیث سے ان کی جہالت کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی باتوں سے محفوظ رکھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ شمس الدین محدث مصر سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں ہندوستان آئے جب وہ ملتان پہنچے اور وہاں کے علما سے ملاقات کی اور ان کی گفتگو کو سنا تو وہ اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔ اس کے بعد انھوں ایک خط سلطان موصوف کو لکھا۔ جس میں انھوں نے طنز کے طور پر یہ شکایت کی کہ ان کے ملک کے علما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے ہیں۔ علمائے ہند کو جب اس خط کے مضمون کا علم ہوا تو انھوں نے اسے سلطان موصوف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵) میں پیدا ہوئے۔ ہندو پاکستان میں تحصیل علم کرنے کے بعد ۶۱۵ھ / ۱۲۱۸ء میں بغداد آگئے اور وہیں ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ پاکستان کے قدیم ترین محدث اور ماہر لغت تھے۔

[۱۶] محدث بغوی کا مکمل نام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی ہے آپ کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی۔

[۱۷] حضرت نظام الدین اولیا بدایونی ۶۳۱ھ، ۱۲۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ بدایون میں تحصیل علم کر کے حضرت بابا فرید الدین شکر گنج سے فیض باطنی حاصل کیا۔ اس کے بعد دہلی میں غیاث پور میں مقیم ہو گئے جو اب بستی نظام الدین کے نام سے مشہور ہے یہیں آپ کا وصال ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء میں ہوا (ملاحظہ ہو اخبار الاخیار از حضرت عبدالحق دہلوی)

کے سامنے پیش ہونے سے روک دیا۔ اس واقعہ کا قاضی ضیاء الدین برنی[18] نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے

دَورِ ثانی

جب نویں صدی کے آخر میں ملتان ویران ہوگیا تو علما بھی وہاں سے رخصت ہو گئے۔ کچھ حضرات نے شہر لاہور میں سکونت اختیار فرمائی اور کچھ دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔ ان افراد میں مولانا عبداللہ بن الہ داد عثمانی تلنبی[19] بھی تھے۔ وہ دہلی چلے گئے اور ان کے ساتھی مولانا عزیز اللہ[20] سنبھل پہنچے ان دونوں علما کا ہندو پاکستان کے بادشاہ سکندر لودھی نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور ان کے جاہ و منصب کو بلند کیا۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوتا تھا اور ان کے مدرسہ کے ایک کونے میں بیٹھ کر ان کے درس کی سماعت کرتا تھا۔

مولانا عبداللہ تلنبی شرح تہذیب کے مؤلف عبداللہ یزدی کے تلمیذ خاص تھے۔ لہٰذا انھوں نے مندرجہ ذیل کتب تعلیمی نصاب میں شامل کیں۔ مطالع، مواقف از عضد الدین ایجی، مفتاح العلوم از سکاکی، طلبا نے ان کتابوں کو بہت پسند کیا اور وہ اس زمانے کے درسی نظام میں رائج ہو گئیں۔

ملا عبدالقادر بن ملوک شاہ[21] بدایونی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

---

[18] خواجہ ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف ہیں جو ۷۵۸ھ / ۱۳۵۶ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں غیاث الدین بلبن سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے عہد تک آٹھ بادشاہوں کے حالات مذکور ہیں۔ برنی حضرت نظام الدین کے مرید تھے۔ اسی لیے ان کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ وہ سلطان محمد تغلق کے مصاحب اور ندیم تھے (اخبار الاخیار ص ۱۰۳-۱۰۵)

[19] مولانا عبداللہ تلنبی اپنے وطن تلنبہ (علاقہ ملتان) میں درس دیتے رہے تھے۔ ملتان کی تباہی کے بعد دہلی پہنچے، اور وہاں سب سے پہلے معقولات کی اعلیٰ تعلیم کو رواج دیا۔ چالیس سے زیادہ مشہور علما ان کے شاگرد تھے ۹۲۲ھ مطابق ۱۵۱۶ء میں فوت ہوئے۔

[20] مولانا عزیز اللہ کے مشہور شاگرد میاں دائم سنبھلی تھے ان کا ۹۷۵ھ مطابق ۱۵۶۷ء میں انتقال ہوا (نزہۃ الخواطر ص ۲۲۶-۲۲۷)

[21] ملا عبدالقادر بدایونی کی کتاب منتخب التواریخ اپنی حق گوئی کی بدولت بہت مشہور ہے۔ وہ اکبر بادشاہ کے ملازم تھے ان کی یہ تاریخی کتاب ۱۰۰۴ھ مطابق ۱۵۹۶ء میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب کا اردو اور انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے۔ صاحب موصوف شیخ مبارک ناگوری کے شاگرد تھے، اور بدایوں میں مدفون ہوئے

"مولانا عبداللہ تلنبی دہلی میں اور مولانا عزیز اللہ سنبھل میں سلطان سکندر لودھی کے عہد کے بڑے عالم تھے۔ یہ دونوں حضرات ملتان کی ویرانی کے بعد وہاں سے تشریف لائے تھے اور انہی حضرات نے اس ملک میں عقلی علوم کو رائج کیا ورنہ اس سے قبل درسی نظام میں علم کلام میں شرح صحائف اور منطق میں شرح شمسیہ کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں پڑھائی جاتی تھی۔"

مزید کتب نصاب

اس دور میں مزید کتب بھی داخل نصاب ہوئیں جیسے شرح مطالع اور شرح مواقف از سید شریف[۵۲۲]۔ تلویح، مطول اور مختصر المعانی، شرح از تفتازانی[۵۲۳]۔ شرح وقایہ از صدر الشریعۃ، شرح الکافیہ از ملا جامی۔ یہ کتاب بتدریج لب الالباب اور الارشاد کے بجائے نحو کے نصاب میں شامل کی گئی۔

اس اضافہ کی وجہ یہ تھی کہ وہ علما جو خراسان سے آئے تھے وہ یا تو سید شریف کے تلامذہ تھے یا شیخ تفتازانی کے شاگرد تھے بعض علما شیخ ملا جامی کے تلامذہ بھی تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے اساتذہ کی تصانیف کو تعلیمی نصاب میں شامل کیا۔

دورِ ثالث

دوسرے دور میں جب عقلی علوم کو رواج ہوا تو طالبانِ علم منطق پر اس طرح ٹوٹ کر گرنے لگے جس طرح پیاسا پانی پر گرتا ہے چنانچہ ہندو پاکستان کے ہر گوشے میں ان دونوں علوم کے طلبا کا اضافہ ہونے

---

۵۲۲ سید شریف جرجانی کا اصل نام علی بن محمد ہے وہ استر آباد کے قریب ۷۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور فقہ کی تعلیم علامہ تفتازانی سے حاصل کر کے شیراز میں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ تیمور کے حملے کے بعد وہ سمرقند چلے گئے تھے اور پھر واپس آ گئے تھے شیراز ہی میں ان کا ۸۱۶ھ میں انتقال ہوا۔

۵۲۳ علامہ تفتازانی کا مکمل نام سعد الدین مسعود بن عمر ہے وہ تفتازان کے مقام میں جو ترکستان میں ہے، ۷۲۲ھ میں پیدا ہوئے (تاریخ آداب اللغۃ العربیہ از جرجی زیدان ج ۳ مطبوعہ مصر ص ۲۳۵-۲۳۶) اور سرخس میں تعلیم دیتے رہے حملۂ تیموریہ کے زمانے میں سمرقند چلے گئے تھے ان کی وفات ۷۹۱ھ میں ہوئی۔ مطول مختصر المعانی اور شرح عقائد انہی کی تصانیف ہیں۔

لگا۔ اسی اثنا میں خطیب ابو الفضل کا ذرونی اور عماد الدین محمد طارمی[24] گجرات پہنچے۔ اور امیر فتح اللہ شیرازی[25] بیجاپور پہنچے۔ یہ علما اپنے ساتھ محقق دوانی[26]۔ صدر شیرازی اور فاضل مرزا جان کی تصانیف لائے۔ یہ تصانیف علمی حلقے میں بہت مقبول ہوئیں۔ بالخصوص شیخ وجیہ الدین علوی[27] گجراتی نے اس دور میں بہت شہرت حاصل کی۔ انھوں نے اہل ہند و پاکستان کے لیے علم کے دریا بہا دیے۔ وہ نہ صرف تصنیف و تالیف میں مشغول رہے بلکہ درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے اور بڑے بڑے علما و فضلا نے ان سے علمی فیض حاصل کیا۔ ان تلامذہ میں سے قابلِ ذکر مندرجہ ذیل ہیں۔

قاضی ضیاء الدین نیوتنی۔ شیخ جمال کوروی۔ لطف اللہ کوروی۔ شیخ احمد بن ابی سعید میٹھوی شیخ علی اصغر قنوجی۔ قاضی علیم اللہ گنجندوی۔ شیخ محمد زمان کاکوروی۔ ان حضرات کے علاوہ

---

[24] مولانا عماد الدین محمد طارمی علاقہ شیراز کے مقام طارم کے باشندے تھے۔ وہاں سے گجرات آ کر حضرت سید محمدؒ المعروف بہ شاہ عالم کے خلیفہ ملک قطب الدین کے مرید ہوئے اور گجرات میں ظاہری و باطنی علوم کی تعلیم دیتے رہے۔ علما کے سرتاج شیخ وجیہ الدین گجراتی ان کے شاگرد رشید تھے۔

[25] میر فتح اللہ شیرازی جامع الکمالات شیعہ عالم تھے۔ علم ہیئت و نجوم اور جبر المقابل کے ماہر بھی تھے۔ ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں دکن کی ملازمت کے بعد اکبر بادشاہ کے ملازم ہوئے۔ کشمیر میں ۹۹۷ھ / ۸۸ھ میں فوت ہوئے اور تخت سلیمان میں دفن ہوئے۔ (منتخب التواریخ ص ۲۶۷، ۲۶۸)

[26] ان کا مکمل نام جلال الدین محمدؒ بن اسعد الدوانی ہے وہ ۸۳۰ھ میں بمقام دوان پیدا ہوئے اور شیراز میں مقیم ہوئے اور فارس کے قاضی مقرر ہوئے۔ وہ بہت بڑے فلسفی تھے۔ دیگر تصانیف کے علاوہ فارسی کی مشہور کتاب اخلاق جلالی کے مصنف بھی ہیں۔ (تاریخ آداب اللغۃ العربیہ از جرجی زیدان۔ ج ۳، ص ۲۳۸-۲۳۹)

[27] شیخ وجیہ الدین گجراتی۔ گجرات کے ایک شہر چاپانیر میں ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ مُلا عماد طارمی سے ظاہری علوم حاصل کیے اور شیخ قاضی سے باطنی فیض حاصل کیا۔ خلق خدا کو ان سے بہت فیض پہنچا۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ تقریباً ہر مشہور درسی کتاب پر آپ نے حاشیہ لکھا یا اس کی شرح لکھی۔ شیخ محمد غوث گوالیاری کے بارے میں کفر کے فتوے کو آپ نے چاک کر دیا تھا۔ ۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء میں بمقام احمد آباد وفات پائی۔

اور بہت سے لوگوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد یہ لوگ خود درس دے کر بندگانِ خدا کو علمی فیض پہنچاتے رہے۔

اس کے بعد امیر فتح اللہ شیرازی بیجاپور سے آگرہ منتقل ہوئے اور وہاں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ یہاں بہت سے لوگ آپ سے مستفید ہوتے رہے۔ انہی میں مفتی عبدالسلام لاہوری بھی شامل تھے جن کے شاگرد مفتی عبدالسلام دیوی ہیں وہ بھی درس دیتے رہے اور ان کے درس سے علما کی ایک بڑی جماعت مستفید ہوئی۔

اسی طرح شیخ محمد افضل ردولوی ثم جونپوری۔ شیخ محب اللہ صدرپوری ثم الہ آبادی اور قاضی عبدالقادر لکھنوی بھی لاہور پہنچے اور تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بعد ازاں مولانا محمد افضل جونپور واپس آکر استاد الملک بن گئے۔ شیخ محب اللہ نے الہ آباد میں قیام کیا اور قاضی عبدالقادر لکھنو میں مقیم ہو گئے۔ اس طرح ان علما کا علمی فیض مشرقی ہند کے ہر گوشہ تک پہنچ گیا۔

اسی جلیل القدر گروہ میں مولانا قطب الدین عبدالحلیم انصاری سہالوی کا شمار ہے جو آگے چل کر علم کے ہر شعبے میں دخیل ہو گئے۔

سید غلام علی بن نوح حسینی بلگرامی نے مآثر الکرام میں تحریر کیا ہے کہ امیر فتح اللہ شیرازی وہ شخص ہیں جو ان ایرانی علمائے متاخرین کی تصانیف لے کر آئے اور انھیں تعلیمی نصاب میں شامل کرایا۔ ایسے مصنفوں میں سے قابلِ ذکر محقق دوانی، صدر شیرازی، منصور اور مرزا جان ہیں۔ لہٰذا ان تصانیف کی بدولت ہند و پاکستان میں منطق و فلسفہ (یونانی) بہت مقبول ہوئے۔

علم حدیث کا آغاز

تیسرے دور کے بعض علما نے حجاز مقدس کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے مل کر ان سے حدیث کا علم حاصل کیا، جیسا کہ محمد بن طاہر بن علی پٹنی صاحب[۲۸] مجمع البحار۔ شیخ یعقوب[۲۹] بن حسن کشمیری

[۲۸] شیخ محمد بن طاہر پٹنی ۹۱۴ھ / ۱۵۰۹ء میں شہر نہروالہ گجرات میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۹۴۴ھ / ۱۵۳۸ء میں سفرِ حجاز کیا اور وہاں کے مشہور علما سے علم حدیث حاصل کیا اور شیخ علی بن حسام الدین متقی کے مرید ہوئے۔ حجاز سے واپس آکر علم حدیث کی تدریس میں مشغول رہے۔ ان کی کتاب مجمع بحار الانوار لغت حدیث میں بہت مشہور رہے۔ شیخ موصوف بدعات کے خلاف جہاد

(باقی بر صفحہ ۳۱)

اور شیخ عبدالنبی گنگوہی[30] وغیرہ نے کیا۔ ان میں سے بعض علما گجرات کی سرزمین میں پہنچے اور وہاں انھوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جیسا کہ شیخ عبدالمعطی، شیخ عبداللہ[31] اور شیخ رحمت اللہ[32] وغیرہ نے کیا۔ ان حضرات سے لوگ مستفید ہوئے اور ان کی کوششوں سے حدیث شریف کا علم اس علاقے میں رائج ہوا۔ بعض علما دہلی اور آگرہ میں آئے۔ ایسے حضرات میں سید رفیع الدین شیرازی[33]، شیخ بہلول بدخشی

(بقیہ صفحہ ۳۰) کرتے رہے۔ اکبر بادشاہ اور مرزا عزیز کوکہ حاکم گجرات نے ان کی قدردانی کی۔ جب ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) میں وہ آگرہ آرہے تھے تو راستے میں چند مخالفوں نے اجین کے قریب انھیں شہید کر دیا۔ پٹن میں اپنے بزرگوں کے مقبرے میں مدفون ہوئے۔ (اخبار الاخیار ص - ۲۸)

۲۹ھ شیخ یعقوب صرفی بن حسن گنائی عاصمی کشمیری ۹۷۸ھ، ۱۵۷۰ء میں پیدا ہوئے انھوں نے بھی حجاز جاکر شیخ ابن حجر مکی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ یہ دور اکبری کے عالم تھے۔ بہت سے لوگ ان کے مرید ہو گئے تھے انھوں نے تفسیر قرآن اور شرح بخاری اور دیگر علمی کتابوں پر حاشیے لکھے۔ ۱۰۰۳ھ، ۱۵۹۵ء میں وفات پائی۔ (مترجم)

۳۰ھ شیخ عبدالنبی گنگوہی، شیخ احمد بن عبدالقدوس کے صاحبزادے تھے۔ آپ صدرالصدور اکبر بادشاہ کی طرف سے ۹۷۲ھ، ۱۵۶۴ء میں مقرر ہوئے بعد میں صدارت کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ اس کے بعد حجاز آگئے وہاں سے واپس آئے قید کر دیئے گئے اور ۹۹۳ھ، ۱۵۸۴ء میں قید کی حالت میں انتقال ہوا۔ آپ کئی مرتبہ حجاز گئے تھے اور وہاں کے علما سے مستفید ہوئے تھے۔ (مترجم)

۳۱ھ شیخ عبداللہ مدنی مدینہ منورہ سے ہندو پاکستان کے علاقے میں آئے یہ شیخ رحمت اللہ مدنی سندھی کے عزیز اور یار غار تھے۔ شیخ علی متقی کے دوست اور صاحب تھے۔ یہ ۹۷۷ھ، ۱۵۶۹ء میں اس علاقے میں آئے اور احمدآباد میں مقیم ہوئے۔ اس کے بعد حجاز میں ان کا انتقال ہوا۔

۳۲ھ شیخ رحمت اللہ سندھی بن عبداللہ بہت بڑے عالم تھے۔ مدت سے جاکر مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی تاریخ وفات ۹۹۴ھ، ۱۵۸۶ء ہے (ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۲ - ۱۱۳)

۳۳ھ رفیع الدین شیرازی سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں دہلی آئے اور سلطان کے حکم سے آگرہ رہنے لگے اور حدیث کا درس دینے لگے۔ آپ محقق دوانی اور حافظ شمس الدین سخاوی مصری کے شاگرد تھے۔ وفات ۹۵۴ھ، ۱۵۴۸ء میں آگرہ میں ہوئی۔ (مترجم)

حاجی اخری اور میر کلاں شامل ہیں۔ یہ حضرات بھی حدیث شریف کا درس دیتے رہے تاہم ہند و پاکستان کے اکثر حصوں میں علم حدیث نہیں رائج ہو سکا بلکہ اہل علم زیادہ تر منطق اور فلسفہ ہی میں دلچسپی لیتے رہے۔ یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے ہند و پاکستان پر یہ احسان کیا کہ شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی تشریف لائے اور انھوں نے حدیث شریف کے درس کی طرف اپنی مساعی جمیلہ مبذول فرمائیں اور اپنی تمام کوششیں اسی کام کے لیے صرف کر دیں اور یہ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اہلِ علم میں درس حدیث کا چرچا ہونے لگا۔ طالبانِ علم درسِ حدیث کی طرف مائل ہونے لگے۔

دَورِ چہارم

اس دَور میں منطق و فلسفہ کا چرچا بہت زیادہ ہو گیا تھا کیونکہ گزشتہ صدیوں میں اساتذہ کرام ان علوم و فنون کی نصابی کتب پر کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے رہے تھے۔ تا آنکہ شیخ نظام الدین سہالوی اسی دَور میں تشریف لائے تو انھوں نے ایک نئے درسی نظام کی بنیاد ڈالی جو اہلِ علم میں بہت مقبول ہوا۔ اور وہی نصاب تعلیم جوں کا توں ابھی تک باقی ہے۔ (اس کی تفصیل یہ ہے)

علم صرف

اس میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں۔ میزان، پنج گنج، صرف میر، فصول اکبری اور شافعیہ۔

علم نحو

اس کی نصابی کتب مندرجہ ذیل ہیں: نحو میر، شرح مائۃ عامل، کافیہ، شرح کافیہ از ملا جامی تا بحث حال۔

علم بلاغت

مختصر المعانی۔ مطول تا بحث "ما انا قلتُ"

علم منطق

صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، مسلم العلوم، میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال۔

فلسفہ

شرح ہدایۃ الحکمۃ از میبذی، شرح ہدایۃ الحکمۃ از ملا صدر شیرازی تا بحث مکان، الشمس البازغۃ

از مُلّا جون پوری -

ریاضی

خلاصۃ الحساب باب التصحیح، تحریر اقلیدس کا مقالہ اولیٰ، تشریح الافلاک، توشجید، شرح چغمنی کا پہلا باب -

فقہ

شرح وقایہ کا نصف اول اور ہدایۃ الفقہ کا نصف ثانی -

اصولِ فقہ

نور الانوار، التلویح تا مقدماتِ اربعہ، مسلم الثبوت تا مبادیٔ کلامیہ -

علمِ کلام

شرح العقائد از تفتازانی تا بحث السمعیات، شرح العقائد از دوانی کا پہلا حصہ، میر زاہد شرح المواقف (بحث امور عامہ)

علمِ تفسیر

الجلالین، بیضاوی تا آخر سورۃ بقرہ -

علمِ حدیث

مشکوٰۃ المصابیح تا کتاب الجمعہ -

علمِ مناظرہ

رسالہ رشیدیہ -

درس نظامی کی خصوصیات

اس درس نظامی کی خصوصیات یہ ہیں کہ ملا نظام الدین سہالوی موصوف نے اپنے درسی نظام میں دقتِ نظر اور قوتِ مطالعہ کو بڑی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ یہ نصاب ایسا ہے کہ اس سے فارغ ہو کر اس وقت وہ تمام علوم میں کمال حاصل نہیں کر سکتے ہیں تاہم ان میں یہ استعداد اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ آگے چل کر علمی کمالات حاصل کر سکیں۔

شاہ ولی اللہ کا مکتب فکر

اللہ تعالیٰ نے ہندو پاکستان کے لوگوں پر یہ احسان فرمایا کہ اس دور میں شاہ ولی اللہ[۳۴] اور ان کی اولاد کا ظہور ہوا۔ ان لوگوں نے حدیث شریف کے علم کو اطراف ہندو پاکستان میں رائج کرنے کے لیے زبردست خدمات انجام دیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے علمی فیض سے بے شمار حضرات کو فیض یاب کیا۔

دور جدید کا اسلامی نظام

دور جدید میں اس درسی نظام میں بہت اضافہ ہوا۔ اساتذہ کرام یہ اضافہ غور و فکر اور سوچے سمجھے بغیر کرتے رہے۔ وہ یہ خیال کرتے رہے کہ اس قسم کا اضافہ درس نظامی کے نصاب کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ منطق میں میرزاہد رسالہ پر غلام یحییٰ[۳۵] کے حاشیہ کا اضافہ کیا گیا اور سلّم کی بحث تصورات

---

[۳۴] حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ۴ شوال ۱۱۱۴ھ، ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم سے حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۱۴۳ھ، ۱۷۳۱ء میں زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔ اور وہاں کے شیخ ابوطاہر مدنی وغیرہ سے اکتساب علم کیا۔ ۱۱۴۵ھ، ۱۷۳۳ء میں دہلی واپس آئے۔ ۱۱۷۶ھ، ۱۷۶۲ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی محققانہ تصانیف بیشمار ہیں۔ ان میں سے فتح الرحمٰن، ترجمہ فارسی قرآن مجید، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، حجۃ اللہ البالغۃ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، الانصاف فی سبب الاختلاف اور مؤطاء امام مالکؒ کی فارسی اور عربی شرحیں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے چاروں فرزندوں، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی بھی قرآن و حدیث کے درس و تدریس میں مشغول رہے اور ان کی علمی تصانیف بھی مشہور ہیں۔ (ملاحظہ ہو حیات ولی از رحیم بخش دہلوی و تذکرۂ شاہ ولی اللہ از مولانا مناظر احسن گیلانی)

[۳۵] مولوی غلام یحییٰ بہار کے مشہور عالم تھے۔ وہ مرزا مظہر جان جاناں کے مرید تھے۔ وہ پانچ سال دہلی میں قیام کرنے کے بعد لکھنؤ آگئے تھے۔ حاشیہ میرزاہد کے علاوہ انھوں نے حاشیہ شرح سلم اور کلمۃ الحق بھی لکھے۔ ۱۱۸۰ھ، ۱۷۶۶ء میں لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔ (نزہتہ الخواطر جلد ۶، صفحہ ۲۱۵—۲۱۶)

پر قاضی مبارک کی شرح شامل کی گئی اور تصدیقات کے لیے ملا حمد اللہ کی شرح رکھی گئی۔ نیز بحث تصورات کے لیے مُلا حسن[۳۶] اور بعض مدارس میں ملا بحرالعلوم[۳۷] کی شرح مسلم کا اضافہ کیا گیا۔ اور بعض مدارس اسلامیہ میں ملا مبین کی شرح مسلم اور میرزاہد کے رسالہ پر بحرالعلوم اور مُلا مبین[۳۸] کے حواشی شامل کیے گئے

اس بارے میں قاضی محمد فاروق چڑیاکوٹی[۳۹] نے مجھ سے عجیب و غریب واقعات بیان کیے ہیں۔ ان کے استاد مفتی یوسف بن اصغر لکھنوی[۴۰] یہ فرمایا کرتے تھے،

وہ قاضی مبارک کے تلامذہ کتاب سلم العلوم پر اپنے استاد قاضی مبارک[۴۱] کی شرح پڑھا کرتے تھے اور ملا حمد اللہ[۴۲] کے تلامذہ اپنے استاد کی شرح پڑھتے تھے۔ اسی طرح ملا بحرالعلیم کی جماعت اپنے تلامذہ کو ملا بحرالعلوم کی شرح پڑھاتی تھی۔ یہ سب حضرات آپس میں بحث کرتے تھے اور ایک دوسرے پر اعتراض کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر میں اہل علم نے یہی فیصلہ کیا کہ تمام مذکورہ بالا شروح پڑھائی جائیں۔ چنانچہ جو طالب علم درجۂ فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے ان تمام شروح کا پڑھنا ضروری ہو گیا۔

۳۶ھ مُلا حسن معقول و منقول کے مشہور عالم تھے۔ انھوں نے منطق و فلسفہ کی درسی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے ہیں۔ وہ ملا نظام الدین بن ملا قطب شہید کے شاگرد تھے۔ دہلی سے واپس آنے پر فرنگی محل لکھنؤ میں مقیم ہو گئے تھے اور ایک عرصہ تک درس دیتے رہے۔ اس کے بعد بعض حوادث کی وجہ سے روہیل کھنڈ چلے گئے اور نواب فیض اللہ خاں کے زمانے میں رام پور میں قیام کیا اور وہیں ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء میں فوت ہوئے (نزہۃ الخواطر ج ۶)

۳۷ھ مُلا عبدالعلی بحرالعلوم ابن ملا نظام الدین بن ملا قطب الدین شہید سہالوی اپنے والد کی آخری عمر میں پیدا ہوئے۔ مروجہ تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ان کے انتقال کے بعد والد کے خاص شاگرد ملا کمال الدین سے مزید تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد وہ بعض ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے شاہ جہان پور چلے گئے جہاں حافظ رحمت اللہ خاں نے ان کی بے حد قدردانی کی۔ وہاں سے وہ رام پور چلے گئے اور وہاں سے منشی بدرالدین کے اصرار پر بوہار پہنچے۔ اس کے بعد نواب محمد علی خاں رئیس کرناٹک کی فرمائش پر مدراس آئے۔ اور وہاں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور وہیں تراسی سال کی عمر میں ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء میں انتقال ہوا۔ آپ نے بھی منطق، فلسفہ اور اصول فقہ اور علم کلام کی درسی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے اور ہند و پاکستان میں عقلی علوم کو رائج کیا۔ (مترجم)

۳۸ھ مُلا محمد مبین لکھنوی بھی فرنگی محل کے علما کے مورثِ اعلیٰ ملا قطب الدین شہید کی اولاد میں سے تھے۔ اور مُلا حسن شارح سلم العلوم کے شاگرد رشید تھے شرح سلم کے علاوہ انھوں نے بھی بعض معقولات

کی درسی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے ہیں ۔ نیز تصوف و مذہب و اخلاق پر بھی بعض کتابیں لکھی ہیں ۔ ان کا انتقال شہر لکھنؤ میں ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں ہوا ۔ (تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۱۷۲ - ۱۷۴)

۵۳۹ مولوی محمد فاروق عباسی چڑیا کوٹی نے مروجہ تعلیم اپنے بڑے بھائی مولوی عنایت رسول اور مفتی محمد یوسف فرنگی محل سے حاصل کی ۔ اس کے بعد حجاز کا سفر اختیار کیا اور وہاں کے علما سے استفادہ کیا اور واپس آکر تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے ۔ وہ مولانا شبلی نعمانی کے استاد تھے ۔ عربی اور فارسی میں نظم و نثر دونوں قسم کی تحریر میں زبردست مہارت حاصل تھی اور دونوں زبانوں میں اشعار و خطبات تحریر کیے ہیں ۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۹ میں آپ کا انتقال ہوا ۔

۵۴۰ مفتی محمد یوسف فرنگی محلی، مفتی محمد اصغر بن مفتی احمد ابو الرحیم کے فرزند ارجمند تھے ۔ والد کے انتقال کے بعد لکھنؤ کی عدالت دیوانی کے مفتی مقرر ہوئے ۔ اس کے بعد جون پور میں مدرس رہے ۔ اسی اثنا میں زیارت حرمین کے لیے حجاز تشریف لے گئے اور وہیں مدینہ منورہ میں ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں علالت کے بعد انتقال ہوا اور حضرت حسنؓ کی قبر کے قریب دفن ہوئے ۔ (مترجم)

۵۴۱ قاضی مبارک گوپاموی شارح سلم، شیخ محمد دائم ادھمی فاروقی کے صاحبزادے تھے ان کے معاصر مولوی حمد اللہ سندیلوی اور مولوی قاضی احمد علی سندیلوی تھے جن سے مناظرہ ہوتا تھا ۔ انھوں نے اپنی مشہور شرح سُلّم ۱۱۴۳ھ میں بمقام شاہ جہان آباد (دہلی) مکمل کی ۔ ۱۱۶۲ھ ۱۷۴۹ء میں انتقال ہوا (ترجمہ)

۵۴۲ ملا حمد اللہ سندیلوی صدیقی حکیم شکر اللہ ولد شیخ دانیال کے فرزند تھے اور ملا نظام الدین بن ملا قطب سہالوی کے شاگرد و رشید تھے ۔ قصبہ سندیلہ میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا ۔ تمام عمر درس دیتے رہے مشہور علما اور فضلا ان کے شاگرد تھے ۔ جن میں سے ان کے داماد قاضی احمد علی سندیلوی بھی تھے سُلّم کی شرح تصدیقات کے علاوہ فلسفہ کی دیگر درسی کتب پر بھی ان کے شروح و حواشی تھے ۔ ان کی وفات دہلی میں ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء میں ہوئی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ کے قریب مدفون ہوئے ۔

(تراجم الفضلا)